

## کیا غامدی فکر و منہج ائمہ سلف کے فکر و منہج کے مطابق ہے؟

غامدی صاحب کے دعوائے مطابقت کا جائزہ

ماہنامہ الشریعہ میں مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ کے کتابچے ”غامدی صاحب کا تصور حدیث و سنت“ کا اور ”الشریعہ“ کی خصوصی اشاعت بنام ”الشریعہ کا طرز فکر اور پالیسی: اعتراضات و اشکالات کا جائزہ“ کا اشتہار دیکھا تو راقم نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ بذریعہ وی پی دونوں چیزیں منگوائیں۔ اول الذکر کتابچے میں مولانا راشدی صاحب کے دو مضمون تھے جو پہلے ”الشریعہ“ میں شائع ہو چکے ہیں۔ موضوع چونکہ راقم کی دلچسپی کا تھا اور دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ فراہی گروہ عرصہ دراز سے قرآن کے نام پر گمراہی پھیلا رہا ہے جس میں سرفہرست مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے تلمیذ خاص جاوید احمد غامدی اور ان کے تلامذہ و متاثرین ہیں اور انھی میں حلقہ دیوبند کے چشم و چراغ عمار خان ناصر مدیر ”الشریعہ“ بھی ہیں، بلکہ جس طرح مولانا فراہی و اصلاحی کی فکری گمراہی کی سب سے بڑے پرچارک غامدی صاحب ہیں، اسی طرح عمار خان ناصر غامدی فکر کے سب سے بڑے علم بردار، اس کے مدافع اور اس کی نوک پلک بھی سنوارنے والے ہیں۔ سارا حلقہ دیوبند عمار خان ناصر کی اس کا یا کلیپ پر حیران ہے اور اس کی زبان پر یہ شعر ہے۔

غنی روز سیاہ ماہ کنگاں را تماشا کن

کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخارا

بہر حال راقم عرض یہ کر رہا تھا کہ غامدی صاحب کے تصور حدیث و سنت پر مولانا راشدی کے نقد و تبصرہ کا اشتہار پڑھ کر خوشی ہوئی تھی کہ اس میں غامدی صاحب کے تصور حدیث و سنت کا مدلل طریقے سے رد کیا گیا ہوگا، لیکن پڑھ کر ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا۔ مولانا زاہد الراشدی نے اس پر تنقید تو کی لیکن غامدی صاحب کی غیر معقول وضاحت پر جس طرح نقد و تبصرہ ہونا چاہیے تھا، اس میں خاصی تشنگی محسوس ہوئی۔ اسی طرح عمار خان ناصر نے بھی، جو غامدی فکر کو آگے بڑھانے میں پیش پیش ہیں، اپنے فکری انحراف کی جو توجیہات پیش کی ہیں، وہ یکسر غیر معقول ہیں۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اپنی مختصر گزارشات پیش کریں، تمہید کے طور پر چند باتیں عرض کرنا ضروری

\* مدیر شعبہ تحقیق و تالیف، دارالسلام لاہور

سمجھتے ہیں۔

## دو تمہیدی باتیں

اول یہ کہ گمراہی کے علم بردار تاویل و توجیہ کا فن خوب جانتے ہیں، بلکہ وہ اس میں مشاق ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ پندار علم کا شکار اور واضلہ اللہ علی علم کا مصداق ہوتے ہیں۔ بنا بریں وہ اپنی بے بنیاد باتوں کو بھی الفاظ کی مینا کاری، فن کارانہ چابک دستی اور عقل و منطق کی شعبہ بازی سے جھوٹ کو سچ، باطل کو حق اور خانہ ساز نظریات کو قرآن و حدیث کے گہرے مطالعے اور بحر علم کی غواصی کا نتیجہ باور کرانے میں کمال مہارت کا مظاہرہ کرتے ہیں، لیکن ظاہر بات ہے کہ کچھ خام فکر کے لوگ تو اس سے متاثر ہو سکتے ہیں اور ہو جاتے ہیں، لیکن جو راسخ العلم اور فکر صحیح کے حامل ہوتے ہیں، وہ ان کی فکری ترک تازیوں میں دجل و فریب کی کارستانیوں کو بھانپ لیتے اور فکر و نظر کی خامیوں کو جانچ لیتے ہیں، جیسا کہ ان شاء اللہ آپ ملاحظہ کریں گے۔

ثانیاً، جو شرعی اصطلاحیں ہیں، وہ آج کی بنی ہوئی نہیں ہیں، بلکہ وہ خود صاحب شریعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان رسالت سے، جو وحی الہی کی مظہر ہے، نکلی ہوئی ہیں اور ان کا مفہوم و مطلب بھی عہد رسالت سے اب تک مسلم چلا آ رہا ہے، جیسے صلاۃ، زکا، اور ختم نبوت وغیرہ کا مفہوم و مطلب ہے۔ آج اگر کوئی شخص یہ کہتے کہ صلاۃ کا وہ مفہوم نہیں ہے جو آج تک مسلمان سمجھتے اور اس کے مطابق عمل کرتے آ رہے ہیں اور وہ غلط ہے، بلکہ صلاۃ کا مطلب پانچ وقت کی نمازیں نہیں ہے بلکہ یہ ہے۔ اسی طرح زکاۃ کا مطلب بھی یہ نہیں ہے جو چودہ سو سال سے مسلم چلا آ رہا ہے، بلکہ اس کا مطلب تو حکومت کا اپنی رعایا کی معاشی ضروریات کا پورا کرنا ہے۔ یاد رہے یہ مفروضے نہیں، بلکہ غلام احمد پرویز اور ان کی فکر کے وارث یہی کچھ کہتے ہیں جو عرض کیا گیا ہے۔ اسی طرح ختم نبوت کی اصطلاح ہے۔ مرزائی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مہر کے بغیر کوئی نبی نہیں آ سکتا اور مرزا صاحب پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہے، اس لیے مرزائے قادیان بھی (نعوذ باللہ) سچا نبی ہے۔

ذرا سوچیے کہ ان مذکورہ شرعی اصطلاحات کی نئی تعبیر کرنے والے کیا صلاۃ، زکاۃ اور ختم نبوت کے ماننے والے کہلائیں گے یا ان کے منکر؟ ظاہر بات ہے کہ کوئی باشعور مسلمان ایسے لوگوں کو ان مسلمات اسلامیہ کا ماننے والا نہیں کہے گا، بلکہ یہی کہے گا کہ یہ نماز کے بھی منکر ہیں، زکاۃ کے بھی منکر ہیں اور ختم نبوت کے بھی منکر ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس دوسرے گمراہ فرقوں کی اپنی وضع کردہ اصطلاحات ہیں، جیسے شیعوں کا عقیدہ امامت ہے، صوفیوں کا عقیدہ ولایت ہے (ان دونوں کے نزدیک امامت اور ولایت نبوت سے افضل ہے)، بریلویوں کا عقیدہ محبت اولیاء ہے جس کے ڈانڈے شرک صریح سے ملتے ہیں۔ معتزلہ نے عدل و توحید کا خود ساختہ مفہوم گھڑ کر اپنے کو اہل العدل والتوحید قرار دیا، وغیرہ وغیرہ۔ گمراہی کی یہ داستان بڑی دراز بھی ہے اور نہایت الم ناک بھی۔

اسی طرح سنت یا حدیث بھی شرعی اصطلاح ہے۔ علاوہ ازیں یہ صحابہ و تابعین (سلف) اور محدثین کے نزدیک ایک ہی چیز ہے۔ اس کا مفہوم اور مصداق بھی چودہ سو سال سے مسلم چلا آ رہا ہے۔ اس کو جو اس کے مسلمہ مفہوم و مصداق کے مطابق مانے گا، وہ اس کو ماننے والا تسلیم کیا جائے گا اور جو یہ کہے گا کہ میرے نزدیک سنت کا یہ مفہوم اور حدیث کا یہ مفہوم ہے اور وہ مفہوم اس کا خود ساختہ اور مسلمہ مفہوم کے یکسر خلاف ہے تو وہ حدیث و سنت کا ماننے والا نہیں کہلا سکتا، چاہے زبان سے وہ حدیث و سنت کو ماننے کا ہزار مرتبہ بھی دعویٰ کرے، جیسے مرزائی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ختم نبوت کے قائل ہیں، لیکن وہ منکر ہی کہلائیں گے کیونکہ ختم نبوت کا وہ مفہوم نہیں ماننے جو مسلمہ ہے بلکہ خود ساختہ مفہوم کی روشنی میں مانتے ہیں۔

### حدیث و سنت کا مسلمہ اصطلاحی مفہوم

اس تمہید کی روشنی میں غامدی و عمار (صاحبین یا استاذ شاگرد) کے تصور حدیث و سنت پر بحث سے پہلے نہایت ضروری ہے کہ حدیث و سنت کے مسلمہ مفہوم و مصداق کو واضح کیا جائے کہ وہ کیا ہے؟ اس کے بغیر صاحبین کا فکری انحراف، جو دراصل فکر فراہی ہے، واضح نہیں ہوگا۔

ادلہ شرعیہ اور مصادر شریعت کے تذکرے میں قرآن کریم کے بعد حدیث رسول کا نمبر آتا ہے، یعنی قرآن کریم کے بعد شریعت اسلامیہ کا یہ دوسرا ماخذ ہے۔ حدیث کا اطلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات پر ہوتا ہے۔ تقریر سے مراد ایسے امور ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیے گئے، لیکن آپ نے ان پر کوئی تکمیر نہیں فرمائی بلکہ خاموش رہ کر اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرما دیا۔ ان تینوں قسم کے علوم نبوت کے لیے بالعموم چار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ (۱) خبر (۲) اثر (۳) حدیث (۴) اور سنت۔

خبر ویسے تو ہر واقعے کی اطلاع اور حکایت کو کہا جاتا ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے لیے بھی ائمہ کرام اور محدثین عظام نے اس کا استعمال کیا ہے اور اس وقت یہ لفظ حدیث کے مترادف اور اخبار الرسول کے ہم معنی ہوگا۔ اثر کسی چیز کے بقیہ اور نشان کو کہتے ہیں اور نقل کو بھی اثر کہا جاتا ہے۔ اسی لیے صحابہ و تابعین سے منقول مسائل کو آثار کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آثار کا لفظ مطلقاً بولا جائے گا تو اس سے مراد آثار صحابہ ہی ہوں گے، لیکن جب اس کی اضافت الرسول کی طرف ہوگی یعنی ”آثار الرسول“ کہا جائے گا تو اخبار الرسول کی طرح آثار الرسول بھی احادیث الرسول ہی کے ہم معنی ہوگا۔

حدیث، اس کے معنی گفتگو کے ہیں اور اس سے مراد وہ گفتگو اور ارشادات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے۔

سنت، عادت اور طریقے کو کہتے ہیں اور اس سے مراد عادات و اطوار رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی لیے جب سنت نبوی یا سنت رسول کہیں گے تو اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و اطوار ہوں گے۔

اول الذکر و لفظوں (خبر، اثر) کے مقابلے میں ثانی الذکر الفاظ (حدیث اور سنت) کا استعمال علوم نبوت کے لیے عام ہے اور اس میں اتنا خصوص پیدا ہو گیا ہے کہ جب بھی حدیث یا سنت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات ہی مراد ہوتے ہیں، اس مفہوم کے علاوہ کسی اور طرف ذہن منتقل ہی نہیں ہوتا۔ ائمہ سلف اور محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک بالاتفاق حدیث اور سنت مترادف الفاظ ہیں، ان کے درمیان کسی نے معنی اور منطوق کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

### حدیث رسول سے انحراف کا آغاز

اس دور کے جن لوگوں نے حدیث رسول کی تشریحی حیثیت کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ اس کے ماخذ شریعت ہونے کو مشکوک ٹھہرانے کی مذموم سعی کر رہے ہیں، انھوں نے حدیث اور سنت کے مفہوم میں فرق کیا ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر ان کے لیے حدیث رسول سے واضح الفاظ میں انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ چاہتے ہیں یا اپنے زعم باطل میں مسلمان عوام کو اس مغالطے میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں کہ وہ منکر حدیث نہیں ہیں، دراصل حالیکہ ان کی ساری کاوشوں کا محور و مرکز حدیث رسول اور اطاعت رسول کا انکار ہے۔ ان کے خیال میں سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و عادات ہیں اور حدیث سے مراد اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور بعض لوگوں نے اس سے بھی تجاوز کر کے یہ کہا کہ آپ کے اعمال و عادات عرب کے ماحول کی پیداوار تھیں، اس لیے ان کا اتباع ضروری نہیں، صرف آپ کے اقوال قابل اتباع ہیں۔ ایک تیسرے گروہ نے اس کے برعکس یہ کہا کہ آپ کے اقوال پر عمل ضروری نہیں، جسے وہ حدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔ تاہم آپ کے اعمال مستمرہ (دائمی اعمال) قابل عمل ہیں، اسے وہ سنت کہتے ہیں۔ اور ایک چوتھا گروہ ہے، اس نے کہا: سنت دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔ گویا سنت و حدیث ان مذہبی بہروپوں کے نزدیک کوئی دینی اصطلاح نہیں ہے بلکہ ایک بازیچہ اطفال ہے یا موم کی ناک ہے جسے جس طرح چاہو، استعمال کر لو اور جس طرف چاہو، موڑ لو۔ لیکن یہ سب باتیں صحیح نہیں۔ یہ چاروں گروہ دراصل بہ لطائف الجلیل احادیث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ائمہ سلف اور محدثین نے سنت اور حدیث کے مفہوم کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ وہ سنت اور حدیث، دونوں کو مترادف اور ہم معنی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح سنت سے صرف عادات و اطوار مراد لے کر ان کی شرعی حجیت سے انکار بھی غلط ہے اور انکار حدیث کا ایک چور دروازہ۔ یا صرف اعمال مستمرہ کو قابل عمل کہنا یا دین کو صرف دین ابراہیمی کی موہومہ یا مومہ روایت تک محدود کر دینا، احادیث کے ایک بہت بڑے ذخیرے کا انکار ہے اور منکرین حدیث کی بہ اندازہ گریہ نوائی۔

### امت مسلمہ میں حدیث کی تشریحی حیثیت مسلم ہے

بہر حال حدیث اور سنت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات کو کہا جاتا ہے اور یہ بھی قرآن

کریم کی طرح دین کا ماخذ، شریعت کا مصدر اور مستقل بالذات قابل استناد ہے۔ چنانچہ امام شوکانی فرماتے ہیں:

اعلم انه قد اتفق من يعتد به من اهل العلم على ان السنة المطهرة  
مستقلة بتشريع الاحكام وانها كالقرآن في تحليل الحلال وتحريم الحرام  
”معلوم ہونا چاہیے کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سنت مطہرہ تشریح احکام میں مستقل حیثیت کی حامل ہے اور  
کسی چیز کو حلال قرار دینے یا حرام کرنے میں اس کا درجہ قرآن کریم ہی کی طرح ہے۔“ (ارشاد النجول ص ۳۳)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

ان ثبوت حجیة السنة المطهرة واستقلالها بتشريع الاحكام ضرورة دينية  
ولا تخالف في ذلك الا من لا حظ له في دين الاسلام  
”سنت مطہرہ کی حجیت کا ثبوت اور تشریح احکام میں اس کی مستقل اہمیت ایک اہم دینی ضرورت ہے اور اس کا  
مخالف وہی شخص ہے جس کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔“ (صفحہ مذکور)

سنت کا مستقل حجت شرعی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے جو حکم ثابت ہو، وہ  
مسلمان کے لیے قابل اطاعت ہے، چاہے اس کی صراحت قرآن میں ہو یا نہ ہو۔ آپ کے صرف وہی فرمودات قابل  
اطاعت نہیں ہوں گے جن کی صراحت قرآن کریم میں آگئی ہے جیسا کہ گمراہ فرقوں نے پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی بہ  
بانگ دہل کہہ رہے ہیں۔ نام قرآن کی عظمت کا ہے، لیکن قرآن کے حکم: من يطع الرسول فقد اطاع الله کو  
ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ان کا رویہ کلمة الحق ارید بھا الباطل کا مصداق اور آئینہ دار ہے۔ ایسے لوگوں نے  
ایک حدیث بھی گھڑ رکھی ہے:

”میری بات کو قرآن پر پیش کر دو۔ جو اس کے موافق ہو، قبول کر لو اور جو اس کے مخالف ہو، اسے رد کر دو۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”یٰحییٰ بن معین نے کہا ہے: انہ موضوع وضعته الزنادقة۔ یہ روایت موضوع ہے جسے زنادقہ نے گھڑا  
ہے۔“ (ارشاد النجول ص ۳۳)

### فراہی یا غامدی گروہ کا ”اسلام“

اب اس گروہ نے اپنا چولا بدل لیا ہے۔ علم و فضل کا مدعی ہے، دینی ادارے کھول لیے ہیں، قرآن کے مفسر ہیں اور  
بزعم خویش دین اسلام کے سمجھنے کا ایسا ادعا ہے کہ چودہ سو سال تک کسی نے ایسا نہیں سمجھا جیسا انھوں نے قرآن کی روشنی  
میں سمجھا ہے۔ چنانچہ حدیث کو کنڈم کر کے یہ گروہ دین اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کر رہا ہے جس میں تصویر سازی بھی جائز  
ہے، قص و سرود بھی جائز ہے، مغنیات (گلوکاراؤں) کا وجود بھی ضروری ہے، عورت بھی مردوں کی امامت کرا سکتی  
ہے، مرد اور عورت ایک سال مل کر نماز پڑھ سکتے ہیں، عورت کے لیے چہرے کی حد تک عریانی جائز ہے، زنا کی حد کے

اثبات کے لیے چار عینی گواہ ضروری نہیں، قرآن سے بھی حد کا اثبات جائز ہے، عورت کی گواہی بھی مرد کی گواہی کے برابر ہے، مطلقہ ثلاثہ کا کسی بھی مرد سے صرف نکاح کر لینا اور اس سے ہم بستری کیے بغیر طلاق لے کر دوبارہ زوج اول سے نکاح کر لینا جائز ہے، ڈاڑھی کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، اسلام میں سزائے رجم نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کے خلاف ہے، معراج ایک خواب ہے، نزول عیسیٰ کا عقیدہ غلط ہے، امام مہدی اور دجال کا خروج بے بنیاد ہے، حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ ایک غنہ اور اباش تھے (نعوذ باللہ)، غامدیہ (صحابیہ) رضی اللہ عنہا پیشہ ور زانیہ تھی (نعوذ باللہ) وغیرہا من الخرافات والمخترعات۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط ہے

بہر حال بات ہو رہی تھی کہ یہ گروہ نام قرآن کا لیتا ہے، لیکن عمل قرآن کے یکسر خلاف ہے۔ جس حدیث کو چاہتے ہیں یا وہ ان کے مزعومہ نظریات کے خلاف ہوتی ہے، اسے قرآن کے خلاف باور کرا کے اسے رد کر دیتے ہیں حالانکہ کسی بھی حدیث صحیح کو ظاہر قرآن کے خلاف باور کرا کے اسے رد کرنا اہل اسلام کا شیوہ نہ پہلے کبھی رہا ہے اور نہ الحمد للہ اب ہے۔ یہ طریقہ صرف اہل زلیغ و اہل ابواء کا ہے جنہوں نے موافقت قرآن کے خوش نما عنوان سے بے شمار احادیث رسول کو ٹھکرادیا۔ چنانچہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (البتونی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

وقد امر الله عز وجل بطاعته واتباعه امرا مطلقا مجملا ولم يقيد بشيء ولم يقل ما وافق كتاب الله كما قال بعض اهل الزيغ  
 ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اطاعت کا مطلقاً حکم دیا ہے اور اسے کسی چیز سے مقید (مشروط) نہیں کیا ہے اور اللہ نے یہ بھی نہیں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تم اس وقت ماننا جب وہ اللہ کی کتاب کے موافق ہو، جس طرح کہ بعض اہل زلیغ کہتے ہیں۔“ (جامع بیان العلم وفضلہ ۱۹۰/۲)  
 اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان قول من قال تعرض السنة على القرآن فان وافقت ظاهره والا استعملنا  
 ظاهر القرآن وتركنا الحديث، جهل  
 یعنی ”قبولیت حدیث کو موافقت قرآن سے مشروط کرنا چہالت (قرآن و حدیث سے بے خبری) ہے۔“

## سنت رسول کی تین قسمیں اور تینوں ہی قابل اطاعت ہیں

اسی لیے امام ابن القیم قرآن اور حدیث کے باہمی تعلق کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

والسنة مع القرآن على ثلاثة اوجه: احدها ان تكون موافقة من كل وجه  
 فيكون توارد القرآن والسنة على الحكم الواحد من باب توارد الادلة  
 وتظاferها۔ الثانی ان تكون بياناً لما ارید بالقرآن وتفسیراً له۔ الثالث ان

تكون موجبة لحكم سكت القرآن عن ايجابه او محرمة لما سكت عن  
 تحريمه، ولا تخرج عن هذه الاقسام، فلا تعارض القرآن بوجه ما- فما كان  
 منها زائدا على القرآن فهو تشريع مبتدا من النبي صلى الله عليه وسلم  
 تجب طاعته فيه ولا تحل معصيته، وليس هذا تقديما لها على كتاب الله  
 بل امتثال لما امر الله به من طاعة رسوله، ولو كان رسول الله صلى الله  
 عليه وسلم لا يطاع في هذا القسم لم يكن لطاعته معنى وسقطت طاعته  
 المختصة به، وانه اذا لم تجب طاعته الا في ما وافق القرآن لا في ما زاد  
 عليه لم يكن له طاعة خاصة تختص به، وقد قال تعالى: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ  
 أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا-“  
 یعنی ”حدیثی احکام کی تین صورتیں ہیں:

ایک تو وہ جو من کل الوجوه قرآن کے موافق ہے۔

دوسرے وہ جو قرآن کی تفسیر اور بیان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تیسرے وہ جن سے کسی چیز کا وجوب یا اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے، حالانکہ قرآن میں اس کے وجوب یا حرمت  
 کی صراحت نہیں ہے۔

احادیث کی یہ تینوں قسمیں قرآن سے معارض نہیں ہیں۔ جو حدیثی احکام زائد علی القرآن ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ  
 وسلم کی تشریحی حیثیت کو واضح کرتے ہیں، یعنی ان کی تشریح و تقنین (قانون سازی) آپ کی طرف سے ہوئی ہے جس  
 میں آپ کی اطاعت واجب اور نافرمانی حرام ہے اور اسے تقدیم علی کتاب اللہ بھی نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ اللہ کے اس حکم  
 کی فرماں برداری ہے جس میں اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اگر اس (تیسری) قسم میں  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی جائے اور یہ کہا جائے کہ آپ کی اطاعت صرف انھی باتوں میں کی جائے گی  
 جو قرآن کے موافق ہوں گی تو آپ کی اطاعت کا حکم بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور آپ کی وہ خاص اطاعت ہی ساقط  
 ہو جاتی ہے جس کا حکم اللہ نے دیا ہے: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ  
 عَلَيْهِمْ حَفِيظًا-“ (اعلام المؤمنین ج ۳ ص ۳۱۴ بہ تحقیق عبدالرحمن الوکیل)

حدیث کی اس تیسری قسم (زائد علی القرآن) ہی کی بابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تنبیہی انداز میں فرمایا تھا:

الا انی اوتیت القرآن ومثله معله

”خبردار! یاد رکھنا، مجھے قرآن بھی عطا کیا گیا ہے اور اس کی مثل (سنت) بھی۔“ (سنن ابی داؤد، باب لزوم السنۃ،

حدیث ۴۶۰۴)

اور آپ کا یہی وہ منصب ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ  
 ”اے پیغمبر! ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لیے اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اس کی تشریح و تبیین کر کے  
 بتلائیں۔“ (النحل آیت ۴۴)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس منصب کے مطابق توضیح و تشریح کی اور اس کے اجمالات کی تفصیل  
 بیان فرمائی، جیسے نماز کی تعداد اور رکعات، اس کے اوقات اور نماز کی وضع و ہیئت، زکاۃ کا نصاب، اس کی شرح، اس کی  
 ادائیگی کا وقت اور دیگر تفصیلات۔ قرآن کریم کے بیان کردہ اجمالات کی یہ تفسیر و توضیح نبوی امت مسلمہ میں حجت سمجھی  
 گئی اور قرآن کریم کی طرح اسے واجب الاطاعت تسلیم کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز اور زکاۃ کی یہ شکلیں اور تفصیلات  
 عہد نبوی سے آج تک مسلم و متواتر چلی آرہی ہیں، ان میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

۲۔ قرآن کریم کے اجمال کی تفصیل و تفسیر جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے، بالکل اسی طرح عموماً  
 قرآنی کی تخصیص اور اطلاقات (مطلق) کی تفسیر بھی تبیین قرآنی کا ایک حصہ ہے اور قرآن کے عموم و اطلاق کی تخصیص  
 و تفسیر بھی آپ کا منصب فریضہ ہے اور اس کے تحت آپ نے یہ کام بھی کیا ہے اور اسے بھی امت مسلمہ نے متفقہ طور پر  
 قبول کیا ہے۔ اسے زائد علی القرآن (قرآن میں اضافہ) یا تغیر و تبدل کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا، جیسے آج کل فرامی  
 گروہ سمیت بعض حضرات ان کو رد کرنے کی شوخ ہوشمانہ جسارت کر رہے ہیں۔

### احکام قرآنی کے عموم کی تخصیص کی چند مثالیں

ہم تفصیل میں جائے بغیر چند مثالیں ایسے عموم قرآنی کی پیش کرتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 حدیث سے تخصیص کی گئی ہے۔

(۱) وَالسَّارِقِ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا

”چور مرد ہو یا عورت، ان کے ہاتھ کاٹ دو۔“ (المائدہ، آیت ۳۸)

اس میں چور کا لفظ عام ہے۔ معمولی چیز چرانے والا چور ہو یا قیمتی چیز چرانے والا، لیکن اس عموم سے حدیث رسول  
 نے اس چور کو خارج کر دیا جس نے ربع دینار (۱/۴) سے کم قیمت کی چوری کی ہو۔ (سنن نسائی، حدیث ۴۹۳۲) یعنی  
 چور (السارق) کے عموم میں تخصیص کر دی کہ اس سے وہ خاص چور مراد ہے جس نے ایک خاص قدر و قیمت کی چیز چرائی  
 ہو، نہ کہ ہر قسم کے چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے، جیسا کہ آیت کے عموم کا اقتضا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور  
 تخصیصات بھی احادیث سے ثابت ہیں۔ نیز بعض فقہاء کی عائد کردہ شرائط سے بھی (جس کی تفصیل اہل علم جانتے  
 ہیں۔ علاوہ ازیں ”تدبر قرآن“ میں بھی چھ سات شرطیں بیان کی گئی ہیں)۔

(۲) قرآن کریم میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ



”مردار اور خون تمہارے لیے حرام ہیں۔“ (المائدہ، آیت ۳)

لیکن اس عموم میں حدیث رسول نے تخصیص کی اور چھلی اور ٹڈی (دومردار) اور گھراوتلی (دوخون) حلال قرار دیے۔

احلت لنا میتتان و دمان: الجراد والحوت والکبد والطحال

(بلوغ المرام، الطہارۃ، حدیث ۱۱۔ اس حدیث کا سند اُمّویٰ ہے، لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ صحابی کا کہنا

ہے: احلت لنا، اور یہ امر نا اور نہینا کی طرح حکماً مرفوع ہے۔ شرح صفی الرحمن مبارک پوری)

حالانکہ عموم آیت کی رو سے یہ چیزیں حرام قرار پاتی ہیں۔

(۳) قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحْرَمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ

مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْنُوفًا أَوْ لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

اس آیت میں کلمہ حصر کے ساتھ چار محرمات کی تفصیل ہے (مردار جانور، بہتا ہوا خون، سور کا گوشت اور وہ چیز جس

پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو) جس کا اقتضاء یہ ہے کہ ان چار محرمات کے علاوہ دیگر چیزیں حلال ہوں، لیکن اس

عموم میں بھی حدیث رسول سے تخصیص کی گئی اور ہر ذی ناب (بچلی والا جانور) اور ذی مصلب (بچنے سے شکار

کرنے والا پرندہ) بھی حرام کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم، ۱۹۳۴)

اسی طرح حدیث رسول سے محرمات میں پالتو گدھے کا اضافہ کیا گیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبی

(ممانعت) کو اللہ کا حکم قرار دیا۔ آپ نے فرمایا:

ان الله ورسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر الاهلية

”اللہ اور اس کا رسول تمہیں پالتو گدھے کے گوشت سے منع کرتے ہیں۔“ (صحیح البخاری، المغازی، حدیث

(۴۱۹۹)

(۴) اسی طرح قرآن صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کرتا ہے۔ رضاعی بیٹی کی حرمت کا

اضافہ حدیث رسول ہی سے کیا گیا ہے۔

(۵) قرآن صرف دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع کرتا ہے۔ خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کے جمع کرنے کی

ممانعت قرآن کریم میں نہیں ہے، بلکہ وَأَجَلٌ لَّكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ کے عموم سے ان کے جمع کرنے کی اباحت نکلتی

ہے، لیکن حدیث رسول ہی نے اس عموم میں یہ تخصیص کی کہ وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ کے حکم عموم میں خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کو

جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۶) بالکل اسی طرح سورۃ النور کی آیت ۲ کا معاملہ ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

اس میں زانی مرد اور زانی عورت کی جو سزا (سو کوڑے) بیان کی گئی ہے، یہ عام ہے جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا

ہے کہ زانی شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، ہر قسم کے زانی کے لیے سو کوڑوں کی سزا ہے، لیکن اس آیت کے عموم میں بھی حدیث رسول نے تخصیص کر دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے بھی اس کی وضاحت فرمادی کہ سورۃ النور میں جو زانی کی سزایان کی گئی ہے، وہ صرف غیر شادی شدہ زانیوں کی ہے۔ اگر زانی کا مرد یا عورت شادی شدہ ہوں گے تو ان کی سزا سو کوڑے نہیں ہوگی، بلکہ رجم (سنگ ساری) ہے۔

اسی طرح اور متعدد مقامات ہیں جہاں قرآن کے عموم کو حدیث رسول سے خاص اور مقید کیا گیا ہے اور جس کو آج تک سب بالاتفاق مانتے آئے ہیں اور آج بھی مولانا اصلاحی وغامدی (اور ان سے متاثر چند افراد) کے سوا، اہل سنت کے تمام مکاتب فکر اس کو مانتے ہیں۔

بنا بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس طرح یہ منصب ہے کہ آپ قرآن کے مجمل احکام کی تفسیر اور تفصیل بیان فرمائیں (جیسا کہ فرمائی ہے) جیسے نمازوں کی تعداد، رکعتوں کی تعداد اور دیگر مسائل نماز، زکاۃ کا نصاب اور اس کی دیگر تفصیلات، حج و عمرہ اور قربانی کے مناسک و مسائل اور دیگر اس انداز کے احکام ہیں، اسی طرح آپ کو یہ تشریحی مقام بھی حاصل ہے کہ آپ ایسے احکام دیں جو قرآن میں منصوص نہ ہوں، جس طرح چند مثالیں ابھی بیان کی گئی ہیں۔ انھیں ظاہر قرآن کے خلاف یا زیادہ علی القرآن یا نسخ قرآن یا تغیر و تبدل باور کر کے رد نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ایسے احکام حدیث کو ظاہر قرآن کے خلاف یا قرآن پر زیادتی یا قرآن کا نسخ یا تغیر و تبدل کہنا ہی غلط ہے۔ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ منصب ہے جس کو قرآن نے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل حکم دے کر بیان فرمایا ہے۔ مثلاً:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ،  
 ”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اولوالامر کی۔“ (النساء ۵۹)

اس آیت میں اللہ کی اطاعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے، لیکن اولوالامر کی اطاعت کے حکم کے لیے الگ ”اطیعوا“ کے الفاظ نہیں لائے گئے۔ البتہ أَطِيعُوا اللَّهَ کے ساتھ أَطِيعُوا الرَّسُولَ ضرور کہا جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ جس طرح اللہ کی اطاعت مستقل ہے، بالکل اسی طرح اطاعت رسول بھی مستقلاً ضروری ہے۔ تاہم اولوالامر (فقہاء، علماء یا حاکمان وقت) کی اطاعت مشروط ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ۔ اگر اولوالامر اللہ کی اطاعت یا رسول کی اطاعت سے انحراف کریں تو لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق کے تحت ان کی اطاعت واجب نہیں رہے گی، بلکہ مخالفت ضروری ہوگی۔ اور آیت مذکور کے دوسرے حصے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ  
 (اپنے آپس کے جھگڑے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹادو)

سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے، کیونکہ اگر صرف کتاب الہی ہی کو ماننا کافی ہوتا تو تنازعات کی صورت میں صرف کتاب الہی کی طرف لوٹنے کا حکم دیا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کتاب الہی کے ساتھ رسول کی طرف لوٹنے کو بھی ضروری

قراردیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اطاعت کے وجوب کو ثابت کر رہا ہے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مستقل اطاعت کے حکم کو قرآن نے بڑا کھول کر بیان کیا ہے۔ أُطِيعُوا اللَّهَ  
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ كَمَا تَكْرَارًا مَتَّعِدًا جَدِّدًا كَمَا فَرَّمَايَا۔ مثلاً سورہ نساء کے علاوہ سورہ مائدہ: ۹۲، سورہ نور: ۳۵، سورہ محمد:  
۳۳، سورہ تغابن: ۱۲۔ نیز فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ  
”ہم نے ہر رسول کو اسی لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“ (النساء، ۶۴)  
مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ  
”جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“ (النساء، ۸۰)  
قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي  
”اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو۔“ (آل عمران، ۳۱)

ان آیات سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک مطاع اور متبوع کی ہے جس کی اطاعت  
و اتباع اہل ایمان کے لیے ضروری ہے۔ علاوہ ازیں آپ کو فصل خصوصیات اور رفع تنازعات کے لیے حاکم اور حکم بنایا گیا  
ہے جیسا کہ آیت مذکورہ (فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ) کے علاوہ ذیل کی آیات سے  
بھی واضح ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيهِ  
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا  
”آپ کے رب کی قسم! لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ (اے پیغمبر!) آپ کو اپنے جھگڑوں  
میں اپنا حکم (ثالث) نہیں مانیں گے، پھر آپ کے فیصلے پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور دل سے اس کو  
تسلیم کر لیں۔“ (النساء، ۶۵)  
نیز ارشاد الہی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ  
مِنْ أَمْرِهِمْ، وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا  
”جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن مرد و عورت کو اپنے معاملے کا اختیار نہیں اور جو  
کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، یقیناً وہ ظاہری گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔“ (الاحزاب، ۳۶)

ان آیات میں بیان کردہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حاکمانہ حیثیت بھی آپ کی مستقل اطاعت کو ضروری قرار دیتی  
ہے۔ نیز آیت احزاب میں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ہی فیصلے کے ماننے کو مقتضائے ایمان قرار نہیں دیا، بلکہ اپنے فیصلے  
کے ساتھ رسول کے فیصلے کو بھی مقتضائے ایمان ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح اور بھی متعدد مقامات پر اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو بھی اپنے ساتھ رکھا ہے اور ان کی بھی وہی حیثیت رکھی ہے جو اللہ کی اپنی حیثیت ہے۔ جیسے سورۃ الحجرات کے آغاز میں فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدَّمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
اسی طرح سورۃ احزاب کے آخر میں فرمایا:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا  
سورۃ آل عمران (آیت ۳۲) میں فرمایا:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ  
نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اللہ تعالیٰ نے بطور آمر و ناہی مطاع مطلق کی حیثیت سے بیان فرمایا:

مَا آتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا  
”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو دیں، وہ لے لو اور جس سے روک دیں، روک جاؤ۔“ (الحشر، ۷)  
سورۃ النور کے آخر میں فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ  
’جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اس بات سے شریں کہ ان پر کوئی آزمائش آجائے یا ان کو  
کوئی دردناک عذاب آئیے۔‘ (النور، ۶۳)

اسی طرح قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض منصوصاً بیان فرمائے ہیں، ان میں تلاوت آیات کے ساتھ ساتھ تعلیم کتاب و حکمت کا بھی ذکر ہے۔ (الجمعة ۲- البقرة، ۱۵۱) ظاہر بات ہے کہ یہ تعلیم کتاب و حکمت، تلاوت آیات سے یکسر مختلف چیز ہے۔ اگر آپ کا مقصد بعثت تلاوت آیات ہی ہوتا، اس کی تعلیم و تشریح آپ کی ذمہ داری نہ ہوتی تو قرآن تعلیم کتاب و حکمت کے الگ عنوان سے اس کا ذکر کبھی نہ کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم کتاب و حکمت بھی آپ کا منصب ہے اور اس سے مراد آپ کی وہی تشریح و تبیین ہے جس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے۔

بہر حال قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات سے واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت نعوذ باللہ صرف ایک قاصد اور ”چھٹی رساں“ کی نہیں ہے، بلکہ آپ کی حیثیت ایک مطاع و متبوع، قرآن کے معلم و مبین اور حاکم و حکم کی ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فرائض صحیح سند سے ثابت ہیں، وہ دین میں حجت اور اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جس طرح قرآنی احکام پر عمل کرنا اہل ایمان کے لیے ضروری اور فرض و واجب ہے۔ (جاری)